**تحریک سیداحمدشہید کی ناکامی کے اسباب**

**(Reasons for the failure of Tehreek Syed Ahmed Shaheed)**

**ڈاکٹر ضیاء اللہ خان جدون[[1]](#footnote-2)• ڈاکٹر اقتدارمحمد خان [[2]](#footnote-3)••**

**Syed Ahmad Barelvi was born on 29th of November 1786 in Rai Barelley in India. He was also known as Syed Ahmad Shaheed. When Syed Ahmad was born it was the time when the Muslims of India were facing downfall by the hands of the British, Sikhs, and Hindus after such a glorious past. He launched his struggle against the enemies of Islam. in 1812 he joined the army of Nawab Ameer Khan Tonk of Northern India in order to take part in Jihad against the British. In 1821 he went to Mecca to perform Hajj where he received a spiritual experience and met many Islamic scholars and thinkers. He came back with many new ideas and knowledge about the Islamic movements going on in all over the world. On 6th August 1823 he came back to India after that he devoted himself for the religious and social reformation of the Muslims of India. After that he went to Peshawar in 1826 from where his actual journey of struggle starts. After the conquest of Peshawar, Syed Ahmad launched a violent policy to enforce Shari’ah and announced the abolition of all tribal rituals that he considered illegal. He had to fight the Sikh army and he received martyrdom in 1831 in Balakot.**

**Keywords:** Syed Ahmad Shaheed, Jihadi Movement, Pathans, N.W.F.P (KPK), Sikhs

**تعارف**

انیسویں صدی کے مجاہد کبیرسیداحمد شہید بریلویؒ[[3]](#footnote-4)کی تحریک یقیناً ہندوستان کی ایک ناقابل فراموش اسلامی وجہادی تحریک تھی جو وقت کے سکھ سامراج کے خلاف شروع کی گئی تھی۔درحقیقت مغل حکمرانوں کے عہد میں مسلمان بظاہر مطمئن ضرور تھے تاہم انہیں دینی اقدار کو اجاگر کرنے اور جوش جہاد پیدا کرنے کے لیے احیائے اسلام کی کوئی عوامی تحریک چلانے کی سعادت کبھی حاصل نہ ہوئی۔تحریک مجاہدین شروع ہوئی تو فرنگی اور سکھ سامراج کے دنیوی غلبے سے پیدا ہونے والی ذہنی مرغوبیت کے رد عمل کے طور پر شروع ہوئی۔ایک مشترکہ نصب العین کے پیش نظر وحدت نے ذہنوں کو جھنجوڑا۔اسی تحریک کے نتیجہ میں جنگ آزادی 1857ء میں مسلمانان برصغیر نے زیادہ سے زیادہ حصہ لیا اور بعد میں تحریک خلافت وہجرت بھی اسی اسلامی تحریک کا نتیجہ تھی۔مؤرخ ِسرحد محمد شفیع صابر کے بقول اسی تحریک کی بدولت مسلمانوں میں اپنا الگ قومی تشخص برقرار رکھنے اور دین کی راہ میں بڑی سے بڑی قربانی دینے کا ولولہ پیدا ہوا[[4]](#footnote-5)۔اس قدر تاریخی ایثار کے بعد بھی یہ تحریک کامیاب نہ ہوسکی حالانکہ ان کے اخلاص، تقویٰ اور بہادری میں ذرا برابر شک وشبہ کی گنجائش نہیں اوریہ کہ اس تحریک کے ماننے والے مذہب اور ملک کے لحاظ سے بھی ورود کرنے والے لوگوں کی طرح ایک تھے یعنی یہ سرحد کے لوگ رہن سہن کے لحاظ سے ہندوستانیوں سے قدرے اختلاف رکھتے تھے لیکن مذہب اور رہن سہن میں یہ ایک تھے اس کے برعکس فرنگیوں کی ایک بالکل اجنبی قوم ہزاروں میل دور سے یہاں آئی جس کا مذہب، رہن سہن، زبان اور دستور حیات وغیرہ سب کچھ ہندوستانیوں سے یکسر مختلف تھا لیکن پھر بھی وہ کامیاب ہوئی، آخرکیوں؟اس کی ایک اہم وجہ ان لوگوں کا مستقبل کے بارے میں ایک نئی سوچ کے مطابق طے کردہ لائحہ عمل پر کام کرنا تھا جب کہ مسلمان پرانے وقتوں کے افعال کو چھوڑنے اور نئی دنیا کے لیے کوئی عملی منصوبہ تیار کرنے کو تیار نہ تھے۔

**آیا سیداحمد شہید کو استعمال کیا گیا تھا ؟**

سوال یہ ہے کہ سیداحمد صاحبؒ پورا ہندوستان چھوڑ کر آخریہاں سرحد(پختونخوا) جہاد کرنے کیوں آئے؟ کیا جہاں پر وہ رِہ رہے تھے ، وہاں صورتحال جہاد والی نہیں تھی؟یعنی ہندوستان میں کیا فرنگی کے ساتھ جہاد نہیں ہوسکتا تھا ؟ کیونکہ جہاد تو کافروں کے خلاف لڑی جانے والی جنگ کو کہتے ہیں اور اس وقت ہندوستان میں جابجا کافر موجود تھے ، کہ ایک طرف مرہٹوں نے مسلمانوں کا جینا حرام کردیا تھا اور دوسری طرف فرنگی فوجیوں نے عیاری اور چالاکی سے مسلمانوں کو آڑے ہاتھوں لیا تھا،ایسے میں ان سے نبردآزما ہونے کے بجائے سید صاحب نے جہادی کارروائیوں کے لیے علاقہ سرحد کو کیوں منتخب کیا اورکاہےکو یہاں پر چلے آئے؟ کیا وہاں موجودعیار عیسائیوں،انتہا پسند ہندوؤں اور سرکش سکھوں سے جہاد کرنا،یہاں پر موجود سکھوں سے جہاد کرنے سے کم درجہ رکھتا تھا؟

اور اگر مان بھی لیا جائے کہ واقعی میں یہاں کے سکھوں سے جہاد کرنا اس وقت بہت ضروری تھا اور وقت کی اشد ضرورت تھی، تب بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا وہاں جانا لابدی تھا کہ جہاں سکھ سامراج کا تخت براجمان تھا اور سکھ خالصہ کا دارالحکومت تھا یعنی لاہور جانا چاہیئے تھا کہ وہاں رنجیت سنگھ کا شاہی محل تھا اور یا پھر سادہ لوح پٹھانوں کے ہاں آکر انہیں امتحان میں ڈالنا ضروری تھا؟ کیونکہ یہاں پر سکھوں کی حکومت جزوی تھی اور وہ یہاں کے عوام سے زیادہ سروکار نہیں رکھتے تھے اور جب سیدصاحب یہاں تشریف لائے تو ان کی ساری توجہ اس طرف مبذول ہوگئی کہ درحقیقت یہی چاہتے تھے اس وقت کے انگریز مکار وعیار کیونکہ انہیں بخوبی علم تھا کہ اس طرف کے غیور پٹھان ان انگریزوں کو جلدی ماننے والے نہیں اور نہ ہی وہ انہیں ایسا کبھی قبول کریں گے اس لیے اگر سکھوں کو ان سے لڑایا جائے تو دونوں کے خاتمےمیں ان کا فائدہ ہے۔اور دوسری بات یہ کہ اگر یہاں پختون اور سکھ مصروف رکھے جائیں تو وہاں وہ بآسانی ہندوستان کے مختلف علاقوں پر مکمل کنٹرول حاصل کرلیں گے۔اور واقعی وہ جو چاہتے تھے وہی ہوگیا۔اس میں کوئی شک نہیں کہ سیداحمد شہید اور ان کا قافلہ اخلاص وللہیت کا پیکر تھا لیکن اس میں بھی شک کرنا تاریخی حقیقت اور سیاسی بصیرت کے خلاف ہے کہ انہیں ایک سوچھے سمجھے منصوبے کے تحت استعمال کیا گیا اور ان کے اخلاص کا فائدہ اٹھاکر انگریز نے اپنا سیاسی چال کامیابی سے چلایا[[5]](#footnote-6)۔

اب دو طرح کے لوگ ہیں، ایک وہ جو سیدصاحب سے حددرجہ عقیدت رکھتے ہیں جو سرے سےان کے خلاف کسی قسم کی حق بات سننے کو بھی تیار نہیں ہیں اور دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو سیدصاحب کے مخالف ہیں اور سید صاحب کے حق میں وہ کسی قسم کی بات سننے کو تیار نہیں۔میرے خیال میں دونوں افراط وتفریط کا شکار ہیں اور تاریخی حقائق سے بے خبر ہیں۔سالہاسال مطالعہ اور مشاہدہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر عقیدت اور نفرت یا بالفاظ دیگر افراط وتفریط کو سائیڈ میں رکھ کر تحقیقی بات کی جائے تو یہ کہنا مناسب ہوگا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ سیدصاحب اپنے وقت کے مجدد، عالم، عامل،متقی،مخلص اور مجاہد انسان تھے۔اور یہ بات واضح ہے جس سے انکار کرنا محض حماقت کے سوا کچھ نہیں لیکن ایک بات جو تاریخ سے اوٹھ میں رہی اور وہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آپ کے اخلاص کو استعمال کیا گیا اور ایک زبردست منصوبے کے تحت آپ کو ورغلاکر اس علاقے میں بھیجا گیا تاکہ انگریز اپنا مقصد بآسانی حاصل کرسکیں۔اس بات سے بے شک قاری اختلاف کرلیں لیکن یہ ایک حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں کیونکہ جس صاحب کی تاریخ پر نظر ہوگی اور خاص کر ہندوستان کی ماضی قریب کی تاریخ پر اس پر ازخود یہ حقیقت کھل جائے گی کہ انگریز نے کن کن چالوں کا سہارا لے کر اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کی۔اگر صرف ایک نکتہ پر غور کیا جائے کہ ان مجاہدین کو سالہاسال جو امداد ہندوستان سے پہنچتا رہا وہ انگریزی سرکار کی موجودگی میں کیسے پہنچتا رہا؟ کون بھیجتا رہا اور کیوں بھیجتا رہا؟ اگر جواب اخلاص، دینی جذبہ اور بھیجنے والے کی ہوشیاری اور دینداری کا دیا جائے تو بے شک مان بھی لیا جاتا لیکن کیا ہندوستان کے جس نواب صاحب سے اس امداد کی رسد ہوتی رہی، اس نواب صاحب کو انگریز سرکار نے کبھی مارا پیٹا، جائیداد ضبط کی، جیل میں بند کیا یا اور کسی قسم کا تشدد آمیز عمل کے ذریعے انہیں منع کرنے کی کوشش کی تھی؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ امیرخان صاحب اور ان کے خاندان کو تو انگریز سرکار نے اعلیٰ سرکاری خطابات سے نوازا اور انہیں ریاست ٹانک کی 6512 مربع کلومیٹر زمین پر محیط نوابی عطا کی۔ پھر جب 1830ء میں سیداحمد صاحبؒ شہید ہوئے ،ان کے بچے کچھے ساتھی ہندوستان واپس ہوئے اور 1850ء میں ہندوستان کے بعض مولویوں نے اس تحریک کی مخالفت کی تو چونکہ اس وقت بھی ان کی ضرورت تھی اس لیے انہوں نے امیرخان کے بیٹے نواب وزیر خان(1834ء تا 1864ء)، نواب محمدعلی خان(1864ء تا 1867ء) اور اس کے بیٹے نواب محمد ابراہیم علی خان (1867ء تا 1930ء) نے ان مجاہدین کی مدد کی۔نواب وزیرخان المعروف بہ نواب وزیر الدولہ نے 1830ء کے بالاکوٹ معرکے سے بچ جانے والے مجاہدین کو اپنے ہاں ٹونک بلاکر ان سے چشم دید احوال نوٹ کرکے تین جلدوں میں ایک کتاب شائع کردی جس کا نام “وقائع احمدیہ” رکھا گیا،جو نہ صرف سیداحمد شہید کے حالات پر مشتمل اصل ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے بلکہ ان کے کارناموں پر مشتمل ایک ضخیم کتاب ہے جس میں ہمیں بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جن افراد سے انہیں خطرہ لاحق تھا اور انہیں احساس ہوچلا تھا کہ یہ سکھ کے بجائے اب فرنگی کو نشانہ بنائیں گے تو انہیں مختلف قسم کے مقدمات، قید وبند اور صعوبتوں سے گزارا گیا لیکن جنہوں نے انگریز کے خلاف کسی قسم کا کوئی قدم نہیں اٹھایا تو ان سے کچھ تعارض نہیں کیا گیا اسی لیے وہ سالہا سال زندہ رہے[[6]](#footnote-7)۔

اب اہم سوال یہ ہے کہ یہی مجاہدین جو کبھی سکھ کے خلاف مصروف جہاد رہے، وہ انگریز سرکار کے ملک میں کیونکر ایسے رہ سکتے تھے؟حالانکہ انگریز اس وقت کسی بھی مجاہد کا سخت مخالف تھا، جسے چُن چُن کر وہ مختلف قسم سزائیں دیا کرتے تھے ، ان کو طرح طرح اذیتیں، صعوبتیں، تکالیف، قید وبند اور جیلیں دیتے، حتیٰ کہ توپوں سے باندھ کر اڑادیتے تھے، ایسے میں ان کا مذکور مجاہدین سے منہ موڑنا ایک سوالیہ نشان ہے۔اور اگر کہا جائے کہ اتنے بڑے ملک میں ان کے وجود کا کیا پتہ اور اس وقت حالات بھی مناسب نہ تھے تو ٹھیک مان لیا، لیکن پھر ایک نامور خان اور نواب کی سرپرستی میں ان سب کا جمع ہوجانا اور ٹانک کے محل میں کئی دن ٹھہرے رہنا چہ معنی دارد؟ 1871ء کا مؤرخ ہنٹر لکھتا ہے کہ ٹانک سے ان مجاہدین کو باقاعدہ رقم اور مدد ملتی تھی[[7]](#footnote-8)۔ اس پر مستزاد یہ کہ کیا پھر وہ جب 1864ء میں ٹونک میں اپنے جہادی قصے سنارہے تھے تو ان کے سامنے 1857ء کا تحریک آزادی والا سال نہیں گزرا تھا جس میں وہاں ان کی موجودگی میں انگریز درندوں نے کیا کیا ظلم نہیں ڈھایا تھا؟ وہ کیوں میدان میں نہیں نکلے؟یہ درست ہے کہ انہوں نے پھر بھی جہاد میں اپنا حصہ ڈالا تھا اور اس سے بھی انکار نہیں کہ یہ صرف ان ہی حضرات کا خاصہ تھا کہ انہوں نے جان پر کھیل کر کم از کم سکھوں سے تو جہاد کیا تھا۔بعد میں ان میں سے بعض کے خلاف مقدمات بنائے گئے لیکن یہ تو وہ تھے جن سے انہیں خطرہ لاحق تھا۔سوال یہ ہے کہ 1857ء میں وہ کیونکر نہیں لڑے ان فرنگیوں سے جو مسلمانان برصغیر پر عذاب بن کر نازل ہوئے تھے اور جو لڑے تھے، ان کو انگریز نے کیوں مارا؟ سوال پھر وہی ہے کہ یہی مجاہدین جب یہاں سکھوں کے خلاف لڑ رہے تھے تب انگریز نے انہیں بہت سپورٹ کیا لیکن جب انہوں نے سکھوں کے بجائے انگریز کو نشانہ بنایا تب انگریز نے انہیں مختلف حیلوں سے پکڑدھکڑ کر کیوں مارا مروایا؟ اور تحریک کے جن حضرات نے انگریز سے کوئی سروکار نہیں رکھا ان سے انگریز نے بھی کوئی سروکار نہیں رکھا۔امام عبیداللہ سندھی نے لکھا ہےکہ ہمارے خیال میں اس تمام تر تغیر میں کمپنی بہادر کی ڈپلومیٹک چال کو بڑا دخل ہے[[8]](#footnote-9)۔مولانا محمد میاں لکھتے ہیں کہ گورنر اضلاع شمالی ومغربی کو اس تیاری جہاد کی اطلاع دی گئی تھی جس کے جواب میں گورنر نے کہا تھا کہ جب تک انگریزی عملداری میں کسی فتنہ وفساد کا اندیشہ نہ ہو ہم ایسی تیاری سے مانع نہیں۔ممکن ہے کہ مذکورہ بالا امور کے علاوہ دوسری سیاسی مصلحتیں بھی ہوں مگر بہرحال انگریزوں نے اس وقت سیدصاحب کے اس اعلانیہ جہاد اور اس کی تیاری پر کوئی رکاؤٹ نہیں کی[[9]](#footnote-10)۔

مولانا حسین احمد مدنیؒ نے تو بڑے صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ سیدصاحب کا مقصد ہندوستان کے ہندو اور مسلمانوں کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے تسلط سے نجات دلانا تھا۔اس لیے پہلے پہل انگریز اس تحریک سے بڑے خوفزدہ تھے لیکن جب سید صاحب کا ارادہ سکھوں سے جنگ کرنے کا ہوا تو انگریزوں نے اطمینان کا سانس لیا اور جنگی ضرورتوں کے مہیا کرنے میں سیدصاحب کی مدد کی[[10]](#footnote-11)۔انگریز کے وفادارسرسیداحمد خان لکھتے ہیں کہ اس زمانی میں علی العموم مسلمان لوگ عوام کو سکھوں پر جہاد کرنے کی ہدایت کرتے تھے۔ہزاروں مسلح مسلمان اور بے شمار سامان جنگ کا ذخیرہ سکھوں پر جہاد کرنے واسطے جمع ہوگیا مگر جب صاحب کمشنر اور صاحب مجسٹریٹ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے گورنمنٹ کو اطلاع دی۔گورنمنٹ نے صاف لکھا کہ تم کو دست اندازی نہیں کرنی چاہیئے۔دہلی کے ایک مہاجن نے جہادیوں کا روپیہ غبن کیا تو ولیم فریزر کمشنر دہلی نے ڈگری لی اور اسے وصول کرتے ہوئے سرحد بھیجی[[11]](#footnote-12)۔

اس سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ ان مجاہدین میں بے حد اخلاص تھا جو صرف اسلام کی سربلندی کے لیے ہرمحاذ اور ہر ڈگر پر تن من دھن کی پروا کئے بغیر نہتے لڑنے کے لیے تیار رہتے تھے اور دوسری بات یہ کہ انگریز مکار نے سکھوں کے ذریعہ غیور پختونوں کو اور پھر ان فاتح سکھ خالصہ کو ان مجاہدین کے ذریعے ختم کروانا چاہا تو کھل کر ان کی حمایت اور معاونت کی اور جب اپنا مقصد حاصل کرلیا یعنی ہندوستان پر خود مکمل قابض ہوچکے تو پھر ان مجاہدین جو ان سے لڑنے کا عزم رکھتے تھے، ان کی بو تک چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھے اور ان کی مکمل بیخ کنی پر اتر آئے تھے۔

**پختونوں کے دستور حیات سے ناواقفیت**

سیداحمد شہیدؒ کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ انہیں پختونوں کی تاریخ، ان کی رسم ورواج، عادات واطوار اور ان کے طرز زندگی کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہ تھا اور نہ ہی انہوں نے یہ جاننا ضروری سمجھا بلکہ انہوں نے یہاں کے پختونوں کو اپنے ہندوستانی بھائیوں کی طرح سمجھتے ہوئے ان پر اسلام کے احکامات لاگو کرنا چاہے جو ان کو مہنگا پڑگیا کیونکہ ایسا کرنا ممکن نہیں تھا اور اس ناممکن کام کے کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہی پختون جو سیداحمدشہید صاحب کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے خوش آمدید کہہ رہے تھے اور ان کے لیے اپنی جانیں تک دینے کے لیے ہمہ وقت تیار بیٹھے تھے اور انہیں کھلانے پلانے اور اپنے ہاں رہنے پر فخر محسوس کرتے تھے، اب ان کے جانی دشمن بن گئے تھے؟ کیونکہ سیداحمد شہید صاحب نے پختونوں کے مزاج کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی ۔کیا ہی اچھا ہوتا کہ سید صاحب اس بات کو سمجھ لیتے کہ ہندوستانی لوگ صرف ایک قسم کی طرز زندگی سمجھتے ہیں اور وہ ہے اسلامی طرز زندگی جب کہ پختون لوگ اسلام کے ساتھ “پختو” نامی نظام کو بھی نہ صرف مانتے ہیں بلکہ اسلام کے آنے کے بعد بھی اس کو چھوڑے نہیں بلکہ برابر اس کو بھی اپنے دستور حیات میں باقاعدہ جگہ دیئے ہوئے ہیں۔ان دونوں نظاموں پر راقم نے پشتو زبان میں ایک کتاب بنام “اسلام او پختو”لکھی ہے جس میں خوب سیرحاصل بحث کی گئی ہے کہ کہاں کہاں پر اسلام اور پختو ہر دو نظام آپس میں تساوی، تبائن اور عموم خصوص من وجہ کی نسبت رکھتے ہیں[[12]](#footnote-13)۔بہرحال سیداحمد شہید صاحب اس بات کو سمجھنے سے یکسر قاصر رہے اور یوں حالات نے دوسرا رخ اختیارکر لیا اورپھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا اور وہی ہوا جو نہیں ہونا چاہیئے تھا۔یاد رکھنے کی بات ہے کہ پختون لوگ اپنے مہمان کے لیے جان دینا اپنی روایتی رسم، غیرت اور فخر سمجھتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ قوم اپنی قومی اور قبائلی روایات اور ننگ وغیرت پر قدغن لگانا بھی بالکل گوارا نہیں کرتے اور ایسا کرنے والوں کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔اس لیے افغانوں یعنی پٹھانوں کے ننگ وغیرت کو چھیڑنا ان کی ازلی فطرت کو چھیڑنے کے مترادف ہے۔بس اتنی سی بات تھی جس کو سمجھنا سیدصاحب جیسے لیڈر کے لیے بہت ضروری تھا کہ وہ تقریباً چار سال تک پختونوں کے ہاں رہ چکے تھے اور ایک بہت بڑی تحریک کے سرخیل تھے لیکن انہوں نے اس بات کو سرے سے توجہ ہی نہیں دی۔اگر وہ اس بات کو پلے باندھ لیتے کہ پختون سے زبردستی سے نہیں حکمت سے کام لینا چاہیئے کہ پشتو میں ایک مثل مشہور ہے کہ پختون کو برضا ورغبت جہنم بھی لے جایا جاسکتا ہے اور بزور کسی کی مجال بھی نہیں کہ اسے جنت میں بھی لے جائے،اگر وہ اس نکتہ کو سمجھ لیتے تو نتیجہ کچھ اور نکلتا[[13]](#footnote-14)۔

**قاضیوں کی غیر ضروری فتوٰی بازی**

دوسری طرف سیداحمد شہید اور ان کے ساتھیوں خصوصاً مولانا محمداسماعیل شہیداور قاضی حبان وغیرہ حضرات کی صراحتاً غلطی یہ تھی کہ یہ لوگ فتویٰ بازی میں جلدی کیا کرتے تھے حالانکہ فتویٰ دینے سے قبل حالات کی چھان بین کرنا ضروری ہوتا ہے۔خود علی میاں صاحب اس کا اقرار کرتے ہوئے مولوی خیرالدین صاحب کے متعلق لکھتے ہیں کہ موضع ڈاگئی(صوابی) میں مولوی خیرالدین نے عرض کیا کہ چھتربائی سے آتے ہوئے جس بستی میں مجھے اترنے کا اتفاق ہوا، وہاں کے لوگوں نے اپنے قاضی کی مجھ سے شکایت کی کہ وہ ہم لوگوں پر بہت زیادتی اور تعدی کرتے ہیں اور ہم سے ناحق ہماری استطاعت سے زیادہ تاوان وجرمانہ لیتے ہیں، آپ سیدبادشاہ سے عرض کرکے ہمارے لیے کوئی سبیل نکالیں[[14]](#footnote-15)۔لیکن آپ نے اس پر کوئی ایکشن نہیں لیا اور نہ ہی اس کے خلاف کوئی اقدام اٹھایا۔اسی طرح سیداحمد شہید صاحب کے دست راست قاضی حبان کے بارے میں علی میاں صاحب خود لکھتے ہیں کہ قاضی حبان صاحب نے سید احمد شہید کو بتایا کہ سَمہ(صوابی ومردان) کے یہ پختون لوگ باغی ہوگئے ہیں اس لیے ان کو راہ راست لانے کے لیے ہمیں زور زبردستی سے کام لینا ہوگا۔سید صاحب سے درخواست کی کہ آپ مجھے اختیارکل دے دیں کہ میں جو مناسب سمجھوں ویسا کروں اور میرے ساتھ لشکر روانہ کردیں، میں اس علاقے کا بھیدی ہوں اور ان سے بخوبی واقف ہوں ان سب کو میں سبق سکھاؤں گا۔علی میاں لکھتے ہیں کہ سید صاحب نے ان کا مشورہ پسند کرلیا اور قاضی صاحب کے ساتھ تین سو سوار، ڈھائی سوپیادے، ایک اونٹ پر نقارہ دے کر روانہ کرتے ہوئے ہدایت کی کہ قاضی صاحب کی بلاانکار اطاعت کریں پھر دعائے خیر کرکے ان کو رخصت کیا۔بعدازاں یہ صوابی کے مختلف دیہاتوں میں جاکر زبردستی عشر وزکوۃ حصول کرتے رہے[[15]](#footnote-16)۔ اب سوال یہ ہے کہ سیدصاحب نے اتنا بھی نہ سوچا کہ ایک تو یہ لوگ مسلمان ہیں، ان سے زبردستی کیونکر کی جائے اور دوسری بات یہ کہ جن لوگوں نے ہم پر احسان کیا ہے کہ ہم سینکڑوں لوگ ہندوستان سے بے سروسامان یہاں چلےآئے اور انہوں نے سالہا سال خاص اللہ کی رضا کے لیے ہمیں رہنے کے لیے جگہ دی اور عزت سے نوازا ، ان سے اس قسم کا تعارض کیونکر کیا جائے؟ کیا ایسا کرنا اسلامی شریعت اور ہندوستانی تہذیب کے لحاظ سے ٹھیک تھا؟

قاضی حبان ہی کا ایک واقعہ ہے کہ انہوں نے رزڑ کے مقامی لوگوں کو ایک بار مقام شیوہ مدعو کرنا چاہا اور جب نوی کلی، شیخ جانا، ترکئی، ترلاندی، ڈاگئی وغیرہ گاؤں کےلوگوں نے قاضی حبان کے پیام بر کو یہ جواب دیا کہ جناب ہم ہرقسم عشر دینے کے لیے تیار ہیں تاہم حاضر ہونے سے معذرت خواہ ہیں کہ آج کل ہم کاشت کاری میں مصروف ہیں[[16]](#footnote-17)۔اس مجبوری کی وجہ سے آنے سے قاصر ہیں باقی آپ جو بھی کہیں ہمیں بسروچشم قبول ہیں کہ ہم پہلے بھی آپ کو عشر دیتے چلے آرہے ہیں ۔یہ پیغام جب موصوف قاضی صاحب تک پہنچا تو قاضی صاحب آگ بگولہ ہوگئے اور انہیں سبق سکھانے کی ٹھان لی۔یہی وجہ تھی کہ قاضی حبان صاحب پر جذبات اس قدر غالب تھے کہ انہوں نے کم فہم اور دین سے ناواقف سادہ لوح مسلمانوں پر اپنا رُعب جمانا تھا جس میں وہ ناکام رہے اور اس ناعاقبت اندیشی میں وہ ان سادہ لوح مسلمانوں کے ہاتھوں مردان میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے[[17]](#footnote-18)۔اسی طرح مانیری، زیدہ، ہنڈ اور پنج تار کے واقعات بھی قابل ذکر ہیں جہاں سید احمد شہید صاحب کے گھریلو معاملات میں بے جا مداخلت نے خواہ مخواہ اپنے لیے مسائل کھڑے کردیئے تھے اور الٹا الزام پختونوں پر لگادیا کہ یہ ملکی لوگ اپنے قول کا پاس نہیں رکھتے ، کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔حالانکہ اس زمانے کے پختون تو آج بھی اس بات کے لیے یاد ہیں کہ وہ اپنے قول وفعل میں کسی قسم کا کوئی تضاد نہیں رکھتے بلکہ بسا اوقات اس قول کی وجہ سے اپنی جان تک سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں لیکن کیا مجال کہ اپنے قول سے یک مو منحرف ہوجائیں[[18]](#footnote-19) ۔اس لیے ان پر یہ الزام لگانا کہ یہ ملکی لوگ اپنے قول کے پاس دار نہیں تھے،سراسر خلاف واقعہ بات ہے۔ہاں البتہ یہ ماننا ضروری ہے کہ اس وقت پختونوں میں علم کی بے حد کمی تھی اور اسی کم علمی اور دین سے قدرے ناواقفیت کی وجہ سے ان میں جہالت کی بعض رسمیں پائی جاتی تھیں جنہیں چھوڑنا ان کے لیے آسان نہ تھا ،ان رسموں میں اکثر اب بھی ان میں پائی جاتی ہیں ،ان رسوم کے مجموعے کو یہاں کی مقامی اصطلاح میں“پختو” کہا جاتا ہے[[19]](#footnote-20)۔صدیوں سے نسل در نسل اس پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے ان پختونوں کے لیے اس پختو قانون کو چھوڑنا بہت مشکل ہوتا ہے۔اس راہ میں یہ اپنی جان کی بازی لگا سکتے ہیں لیکن پختو پالنے سے باز نہیں آسکتے۔اس لیے کہا جاتا ہے کہ جو شخص پختو نہیں پالتا ، اسے مرنا چاہیئے کہ اسی میں ہی مردانگی ہے۔[[20]](#footnote-21)

**ایک مولوی کا سیدصاحب کو خرابیوں پر اطلاع**

سید صاحب کو ان باتوں کا علم تھا یا نہیں؟ اگر تھا تو پھر کیوں اس پر ایکشن نہیں لیا اور اگر نہیں تھا تو کیوں معلوم کرنا مناسب نہیں سمجھا کہ مسلمانوں پر شب خون مارنا، ان کی لڑکیوں کا زبردست شادی کروانا، زبردستی عشر حصول کرنا، لوگوں کو دھمکانا ڈرانا، خوامخوا یہاں رائج فقہ حنفی کی مخالفت کرنا، یہاں کے مولویوں اور خوانین کو اپنے خلاف کروانا اور ان کی کھل عام بے عزتی کروانا کہاں کا انصاف، کیسا اسلام اور کہاں کی عقلمندی ہے؟ کیا آپ کے آنے کا مقصد یہاں کے عوام کی بےعزتی کروانا اور ان میں دشمنی پھیلانا اور انہیں اسلام سے متنفر کروانا تھا ، اگر کوئی کہیں کہ نہیں تھا تو ایسا ہرگز نہیں کیونکہ ٹوپی کے مقام پر ایک مقامی مولوی صاحب نے سیداحمد شہید کو مخاطب کرکے کہا تھا کہ جناب!آپ کے آنے سے ملک سمہ(صوابی ومردان) کی بڑی بڑی خرابیاں وبے عزتیاں ہوئیں[[21]](#footnote-22)۔اس کے بعد بھی سید صاحب نے اس معاملے کو سیریس نہیں لیا، اس کی کیا وجہ ہوسکتی ہے، اللہ ہی بہتر جانے وگرنہ اس کے بعد انہیں ضرور اصلاح کا ایکشن لینا چاہیئے تھا۔

**فتح خان کی خبرداری**

پنج تار کے فتح خان نے سید صاحب کی سختی اور تشدد کو دیکھ کر پہلے ہی ارشاد فرمایا تھا کہ حضرت اتنی سختی ٹھیک نہیں ہے کیونکہ ہمارے پٹھان سادہ لوح ہیں اور وہ اسلام کے نام لیوا ضرور ہیں تاہم دینی معاملات میں آپ لوگوں کی طرح اعلی ایمانی پایہ پر فائز ہرگز نہیں ہیں اس لیے ذرا احتیاط برتیے گا وگرنہ نتیجہ بہت برا نکلے گا اور پھر سوائے افسوس کے کچھ نہ ہاتھ آئے گا۔لیکن سید صاحب ایسا کرنے یا سننے کے حق میں نہیں تھے۔اس لیے جب مینار، ہنڈ، مردان،مانیری اور زیدہ وغیرہ مقامات میں مجاہدین کو مقامی لوگوں نے تنگ آکر مارڈالا تب فتح خان نے اپنی بات دہرائی کہ حضرت میں نہ کہتا تھا کہ ذرا سنبھل کے قدم اٹھایئے گا لیکن آپ اس فقیر کے الفاظ پر کان تک نہ دھرتے تھے تو پھر ایسا ہی ہونا تھا کہ میں چونکہ پٹھان ہوں اور خود اپنی مٹی کی فطرت سے بخوبی آگاہ ہوں، مجھے بخوبی معلوم ہے کہ ان اقدام سے پختونوں کے نظام زندگی پر کتنا اثر پڑتا ہے اور اس کا کیا رد عمل ہوگا[[22]](#footnote-23)۔شاہ فضل رسول بدیوانی جو کہ سیداحمد شہیدؒ کے ہمراہ دہلی میں رہ چکے تھے، اس نے 1850ء میں چھپ جانی والی کتاب “سیف الجبار” میں لکھا ہے کہ جب ہندوستانی لوگ جابجا قتل ہوئے اور سیداحمد شہید صاحب پریشان ہوئے تب فتح خان نے انہیں بتایا کہ سیدصاحب میں اسی دن کے لیے کہتا تھا کہ احتیاط کیجئے گا لیکن آپ میری کہاں سنتے تھے؟[[23]](#footnote-24)اب یہ دن تو دیکھنا ہی تھا کیونکہ آپ لوگوں کی تشدد سے تو یہی نتیجہ نکلنا تھا[[24]](#footnote-25)۔وہی بات ہے کہ اگر سید صاحب سیاسی لحاظ سے دیکھتے تو چاہیئے تھا کہ یہاں کے مقامی دانشوروں سے مشورہ کرتے اور یہاں کے حالات سے خوب آگاہی حاصل کرلیتے کہ کیا کرنا چاہیئے اور کیا نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ ایک مدبر انسان بالخصوص مدبر رہنما ہر ملک اور ہر قوم کی سیاسی، معاشی، سماجی، معاشرتی اور طبیعاتی جائزہ، مشاہدہ اور مطالعہ کرنے کے بعد آگے کا منصوبہ طے کرتا ہے کیونکہ میرکاروان نگاہ بلند، جان پرسوز اور سخن دلنواز رکھتا ہے۔

**مجاہدین کی غلطیوں پر محققین کی آراء**

جب سیدصاحب اول اول یہاں آئے تو یہاں کے لوگوں نے بے پناہ پیار کی وجہ سے انہیں سر پر بٹھارکھا تھا اور انہیں عقیدت اور حد درجہ محبت کی وجہ سے سیدبادشاہ کہا کرتے تھے، جو کثرت استعمال سے پختونوں کی اپنی اصطلاح میں سیدباچا سے تبدیل ہوچکا تھا، یہ عقیدت ابھی تک قائم ہے کیونکہ آج بھی پختون لوگ اسی عقیدت کی بنا پر اپنے بچوں کے نام “سیدبادشاہ” اور “سیدباچا” رکھتے ہیں[[25]](#footnote-26)۔سوانح احمدی کے مطابق سید صاحب کے ہاتھوں تیس لاکھ مسلمانوں نے بیعت کیا تھا[[26]](#footnote-27)۔اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مسلمانوں کے قلوب کو ایمانی حرارت عطا کرنا اور ان میں ملی حمیت کا جذبہ پیدا کرنے کا تعلق ہے تو تحریک مجاہدین انتہائی کامیاب اور بامراد رہی، تاہم ان لوگوں کے نزدیک جو کسی فرد یا جماعت کو محض ظاہر کرنے کے پیمانے سے ناپتے ہیں، مجاہدین سے ایسی غلطیاں سرزد ہوئیں جن کی بنا پر ان کی کامیابی یکسر ناکامی میں تبدیل ہوگئی[[27]](#footnote-28)۔جناب **مرزا حیرت دہلوی** بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مولیوں نے دیہات میں بڑا اودھم مچایا تھا۔چھوٹی چھوٹی باتوں پر مواخذہ کرتے اور لڑکیوں کو زبردستی اپنے نکاح میں لے آتے[[28]](#footnote-29)۔مشہور انگریز مؤرخ **ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر** بھی اس حقیقت سے پردہ پاش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ چونکہ یہ ہندوستانی اپنے گھر بار چھوڑ کر آئے تھے اور ان کی بیویاں ان کے ہمراہ نہ تھیں، اس لیے انہوں نے فرمان جاری کیا کہ جس لڑکی کی شادی بارہ روز کے اندر اندر نہیں ہوجاتی اسے مجاہدوں کی ملکیت تصور کیا جائے گا[[29]](#footnote-30)۔**منشی گوپال داس**“تاریخ پشاور”میں سیداحمد شہید کے ساتھیوں کی اس غلطی کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قوم یوسفزئی کو یہ امر بالکل پسند نہ تھا کہ ہندوستانی لوگ ان کی لڑکیوں سے بیاہ کریں۔اس سبب سے اکثر لوگ اس سے بیزار ہوگئے[[30]](#footnote-31)۔جناب **بشیرمحمود اختر** لکھتے ہیں کہ باتیں بڑی چھوٹی چھوٹی تھیں یعنی کہنے کو تو یہ باتیں بہت معمولی تھیں لیکن ان کے بڑے غیر معمولی نتائج برآمد ہوئے۔درحقیقت پٹھان اپنی شدید قبائلی جبلتوں کے سامنے بے بس ہوتے ہیں[[31]](#footnote-32)۔اب ظاہر ہے کہ پختون قوم کبھی بھی یہ برداشت نہیں کرتی کہ ان کی لڑکی کسی غیر پختون قوم میں بیاہی جائے، اگرچہ وہ غیرپختون شخص ان کےمعاشرےمیں رہتا ہو، اور وہ بھی زبردستی جو یقیناً ان کی جبلت و للکارنا تھا۔ غور سے دیکھا جائے تو کوئی بھی پختون آج کے دور میں بھی اپنی لڑکی کا نکاح ایسے شخص سے کرنے کو تیار نہیں جو مال ودولت،شکل و صورت، دینداری اور عہدہ منصب سب کچھ رکھتا ہو لیکن وہ ذات سے پختون نہ ہو بلکہ غیر پختون ہو مثلاً لوہار، ترکھان، موچی، اعوان، تنولی،گجر، پراچہ، حجام جو کوئی بھی ہو لیکن نسلاً پختون نہ ہو تو اس کو اپنی لڑکی دینا آج کے پختون کا بھی شیوا نہیں حالانکہ یہ پختون معاشرے میں صدیوں سے بود وباش کر رہے ہیں اور ان کے عادات واطوار، رسم ورواج، اٹھک بیٹھک سب کچھ ان پختونوں کی طرح ہے مگر پھر بھی یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کی جبلت اور غیر پختون قوم کی فطرت میں کافی فرق ہے جسے دین، مال، منصب وغیرہ امور مٹا نہیں سکتے اور اس سلسلے میں ان کا دعویٰ ہے کہ یہ محض باتیں ہی نہیں بلکہ تجربے اور مشاہدے سے ثابت وہ حقائق ہیں جن سے کوئی بھی عقل سلیم رکھنے والا شخص منہ نہیں موڑ سکتا۔غور کیجئے جب آج کے اس ترقی یافتہ زمانے میں پڑھے لکھے اور دیندار پختونوں کا یہ حال ہے تو آج سے دو سو سال پیچھے جاکر آپ خود اندازہ لگالیجیئے کہ اس وقت کیا صورتحال ہوتی ہوگی، لہذا سید صاحب کی جماعت کا یہ فیصلہ سراسر غلط تھا کیونکہ حالات ویسے بھی ناسازگار تھے اور ہندوستانیوں کے اس اقدام نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور حالات کا رخ یکسر پلٹ دیا۔اور پھر وہی ہوا جو نہیں ہونا چاہیئے تھا[[32]](#footnote-33)۔**میاں عبدالرشید** اس تحریک بالخصوص سید صاحب کی مخالفت کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ذرا سی غلطیوں پر لوگوں کو سخت شرعی سزائیں دی جاتی تھیں۔تارک الصلوٰۃ کے لیے تازیانے کی سزا مقرر تھی حالانکہ اسلام میں تبلیغ سختی سے نہیں کی جاتی۔اس تحریک کی ناکامی کا ایک اور سبب یہ تھا کہ شرعی حکومت قائم ہوجانے کے بعد بھی مجاہدین انتظامی امور اور بالخصوص دشمنوں کی جانب سے غافل ہوگئے تھے۔ایک خیرخواہ نے بروقت سیدصاحب کو اطلاع دی تھی کہ ایک منصوبہ کے تحت رات کو ان کے سبھی پیروکاروں کو مقامی لوگ قتل کردیں گے لیکن انہوں نے کوئی تحقیقات نہ کرائی[[33]](#footnote-34)۔سیرت سیداحمد شہید کے مؤلف **مولانا ابوالحسن علی ندوی**ؒ باوجود حد درجہ عقیدت کے اس بات کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوئے کہ “اِن مجاہدین سے ایسی غلطیاں سرزد ہوئیں جو اِن کے ساتھ بالکل زیب نہیں دیتی تھیں”۔علی میاں صاحب عقیدت کے دائرے میں ادب اور تہذیب کے الفاظ استعمال کرکے لکھتے ہیں کہ“ غازیوں میں سے بعض درشت مزاج اور لاابالی پن کا شکار تھے، ان سے کہیں کہیں بدعنوانی اور تعدی کے واقعات رونما ہوئے”[[34]](#footnote-35)۔مؤرخ یوسفزئی مرحوم **اللہ بخش یوسفی** کی تحقیق کے مطابق تدبر ایک اہم جزو ہے ایسے امور میں اور سید صاحب کے رفقاء اس چیز میں کمی کا شکار تھے۔ لکھتے ہیں؛ کسی سے یہ کہدینا کہ تشریف لے جائیے یا میری آنکھوں سے دورہوجایئے، کے مطالب میں کوئی فرق نہیں لیکن دونوں کے نفاذ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ہرحکم کے نفاذ کے لیے تدبر وتدبیر کی ضرورت پیش آتی ہے اور سیدصاحب کے رفقاء میں اس کی کمی تھی[[35]](#footnote-36)۔

ظاہر ہے کہ کوئی بھی کام، تحریک، منصوبہ یا مشن تدبر وتفکر کے بغیر کامیاب ہو ہی نہیں سکتا اور پھر اس قدر بڑی تحریک کیسی کامیاب ہوتی؟سرحد کے مشہور مؤرخ **محمدشفیع صابر** لکھتے ہیں کہ یہ سب کچھ بجا سہی (کہ مجاہدین سے غلطیاں سرزد ہوئیں) لیکن سید صاحب اور ان کے رفقاء کو بدنام کرنے کا سب سے بڑا محرک سردار سلطان محمد خان بارک زئی تھا،(چونکہ اس کے بھائی یارمحمد خان کو مجاہدین نے مارا تھا، اس لیے یہ مجاہدین کا کھلا دشمن بن بیٹھا تھا)،وہ ان حکمرانوں میں سے تھا جو اپنی گدی کو بچانے کے لیے ناجائز کام بھی جائز سمجھتے ہیں۔وہ سید صاحب کی نسبت سیاسی اتارچڑھاؤ کا بھی زیادہ ماہر تھا۔اس لیے اس نے سید صاحب جیسے دینی رہنما کا توڑ مذہبی طریق ہی سے کرنا مناسب سمجھا اور اپنے مطلب کے علماء سے فتویٰ حاصل کرلیا جس میں سیدصاحب پر عقیدہ وہابی ہونے کا الزام لگایا گیا[[36]](#footnote-37)۔اہل سرحد کی واضح اکثریت چونکہ بزرگان دین اور اولیائے کرام سے گہری عقیدت رکھتی تھی اس لیے اس فتویٰ نے وہ کام کیا جو آپ وتفنگ سے بھی ممکن نہ تھا[[37]](#footnote-38)۔سید صاحب کے حدی خواں چودھری**غلام رسول مہر** صاحب عقیدت کے باوجود لکھتے ہیں کہ جب سید صاحب نے یہاں کے عوام کو اپنے ہاں اس وقت بلایا کہ وہ ان ہندوستانیوں سے تنگ آکر ان سے چھٹکارا پانا چاہتے تھے،ان سے سید صاحب نے وجہ پوچھی کہ تم لوگ کیوں ہمارے ہندوستانیوں کو تنگ کر رہے ہو تو انہوں نے جواباً کہا کہ ہم پر سختیاں کی جاتی ہیں، معمولی قصوروں پر بے عزت کیا جاتا ہے، ہماری بہنوں اور بیٹیوں کے نکاح جبراً کرائے جاتے ہیں، ہم پر ذرا ذرا سی بات پر کفر کے فتوے لگائے جاتے، اس لیے تنگ آکر ہمیں یہ کام کرنا پڑا[[38]](#footnote-39)۔

**خلاصۂ کلام**

کاش ہندوستانی یہ سوچ لیتے کہ کسی بھی جگہ جا کر اقامت گزیں ہونے سے پہلے وہاں کے لوگوں کی مزاج شناسی بہت ہی ضروری عمل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہاں کے پختون لوگ دین پر مر مٹنے کے لیے ہمہ تن تیار رہتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ وطن پر بھی سب کچھ لٹانے میں فخر محسوس کرتے ہیں لیکن رشتے ناتے میں ان کے اپنے کچھ اصول ہیں جن کے خلاف کرنا اور کروانا انہیں کسی بھی حال میں برداشت نہیں، کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ پختون لوگ سید صاحب کو سرآنکھوں پر بٹھاتے اور ان کے اونٹ کی پشم اور زین تک کو تبرکاً رکھنے میں خوشی محسوس کرتے تھے لیکن کیا کسی پختون نے اس عقیدت کے باوجود کبھی سید صاحب کو اپنی لڑکی دینے کی بات تک کی تھی؟ نہیں اس لیے کہ کسی سے عقیدت اور محبت اپنی جگہ لیکن کسی غیر پختون کو رشتے میں منسلک کرنا یہ عقیدت کا حصہ نہیں سمجھتے تھے۔جن لوگوں کا پختونوں کے ساتھ واسطہ پڑا ہو، ان پر یہ امر بخوبی واضح ہے، ہاں استثناء ہرجگہ موجود ہے کہ خال خال کبھی اس کے خلاف ہوا ہو تو اسے قاعدے کے خلاف نہیں کہا جاسکتا۔شرعی لحاظ سے اس میں کوئی قباحت نہیں لیکن سیاسی امور میں ایسا عمل کسی بڑے خطرے کو خود دعوت دینے کے مترادف ہے۔ایک ایسا خطرہ جو سالوں کے بنائے گئے منصوبے کو خس وخاشاک کی طرح بہالے جائے۔شاید اللہ تعالیٰ کو ایسا ہی منظور تھا وگرنہ سیدصاحب جیسے مدبر سے ایسی سیاسی غلطی کیسی سرزد ہوئی کہ انہوں نے اپنے مجاہدین کو ایسا کرنے سے روکا نہیں حالانکہ خود سید صاحب کی سختیاں پختونوں کے ساتھ اس بات کی غماز ہیں کہ سیدصاحب کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ سختی کے خلاف تھے اس کی ایک بڑی مثال ہنڈ کے وہ خادی خان تھے جنہوں نے ان ہندوستانیوں کو اس وقت خوش آمدید کہا تھا جب سارا ملک سکھوں کے خوف سے تھرا اٹھتا تھا۔ان مجاہدین کو دو سال تک اپنے ہاں مہمان رکھنے والے محسن کو خوامخوا اپنا مخالف بناکر موت کے گھاٹ اتاردیا۔کیا ہی عجیب بات ہے کہ بہانہ یہ بنایا گیا کہ اگر ہم یہ نہ کرتے تو خان سکھوں سے مل کر ہمارے خلاف سازش کرتا۔پھر تو چاہیئے تھا کہ پنج تار کے فتح خان کو بھی ماردیتے کیونکہ اس سے بھی تو ایسا خطرہ محسوس کیا جاتا رہا کہ وہ بھی سکھوں سے ساز باز رکھتے تھے۔باقی سارے پختونوں کو بھی ماردینا چاہیئے تھا کہ وہ بھی ان کے مخالف بن گئے تھے۔اگر انہوں نے پشاور، نوشہرہ، چارسدہ، مردان، پنج تار وغیرہ مقامات کو اس لیے خیرباد کہا کہ ان کے ساتھ مجاہدین کا رہنا درست نہیں تھا تو پھر خادی خان کو بھی ہمیشہ کے لیے خیرباد کہا جاسکتا تھا تاکہ مجاہدین کے پاک دامن پر کوئی بدنما داغ نہ لگ جائے جو ہزار قسم حیلوں کے باوجود تاریخ کے اوراق پر بھدی لگتا ہو۔کیا فتح خان، اشرف خان اور دیگر خوانین سے صرف نظر سے ان کامشن رُکا؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ وہ پہلے سے بڑھ کر جاری و ساری رہا۔اسی طرح اس خان کو بھی اپنی حالت پر چھوڑکر آگے نکل لیتے۔اس میں بھی کوئی دو رائے نہیں کہ خوانین کا ایسا کرنا غلط تھا لیکن کیا قرآن کی یہ بات ان کے سامنے موجود نہیں تھی کہ علم والے اور بے علم کبھی بھی برابر نہیں ہوسکتے ہیں؟ **هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُوْلُوا الأَلْبَابِ**[[39]](#footnote-40)

کیا بینا اور نابینا برابر ہوسکتے ہیں ؟ کیا تم سوچ وفکر نہیں رکھتے ؟

**هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَى وَالْبَصِيرُ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ**[[40]](#footnote-41)

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کے احکام آئے ہی نفاذ کے لیے ہیں لیکن اس انداز سے لاگو کرنا بالکل بھی شریعت اسلامیہ میں مناسب نہیں۔اگر اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روز عیاں کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام کہیں بھی اس حالت میں کبھی نافذ نہیں ہوا ۔ماضی قریب میں افغانستان کی طالبان اسلامی حکومت نے بھی جب اس قسم کا رویہ اختیار کیا تو صدیوں سے نسل در نسل آنے والی مسلمان افغان قوم نے بھی اس سلوک کو دل سے قبول نہیں کیا کیونکہ جب ستمبر 2001ء میں افغان طالبان حکومت پسپا ہوئی تو بزور نماز کی پابند بنائی گئی قوم تو چلو دھیرے دھیرے صلوٰۃ سے کھسک گئی لیکن بزور رکھوائی گئی دھاڑیاں تو آناً فاناً غائب ہوگئیں۔حجام کی دکان پر ان کی قطاریں لگ گئی تھیں اور دھڑا دھڑ وہ اپنے چہرے سنت نبوی سے صاف کر رہے تھے۔کیونکہ دین جب تک دل میں گھر نہیں کر جاتا تب تک زور سے وقتی اثر کی کوئی حیثیت نہیں[[41]](#footnote-42)۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں وہی تحریک کامیاب رہی ہے جس نے علم اور حکمت کی گٹھ جوڑ سے کام چلایا ہو، اورجس نے صرف علم کی طاقت کے بل بوتے اسلام کو نافذ کرنا چاہا تو وہ اس میں ناکام ہوچکے ہیں اور جنہوں نے علم کی بجائے حکمت سے کام لیا ہے انہیں خوب کامیابی ملی ہے جس کی مثال آج کی تبلیغی جماعت ہے جس نے حکمت کو تھامے رکھ کر خوب پذیرائی حاصل کی ہے۔

یہ بحث اپنی جگہ درست اور قابل غور ہے کہ اس تحریک کے علمبرداروں سے ایسی غلطیاں سرزد ہوئیں جن کی بدولت ان کی تحریک کامیاب نہ ہوسکی۔ان میں چیدہ چیدہ اور قابل ذکر کوتاہیاں یہ تھیں کہ ایک تو سیدصاحب نے پختونوں کے ہاں آکر اس بات کو سمجھنے پر سرے سے دھیان ہی نہیں دی کہ یہ لوگ ہندوستانیوں سے طرزِ زندگی اور بود وباش میں کافی مختلف ہیں۔لہذا ان کے ساتھ وہی رویہ روا رکھنا جیسا کہ ہندوستانیوں سے رکھا جاتا ہے، کارگر ہونا تو درکنار، الٹا نقصان دہ ثابت ہوگا اور واقعی وہی ہوا۔اس پر مستزاد یہ بھی نہیں سوچا کہ جن لوگوں نے ہمیں اتنی عزت واکرام دیا اور ہمیں سرآنکھوں پر بٹھایا، ہمیں رہنے کے لیے ہر قسم سہولیات فراہم کیں اور جن سے جتنا ہوسکا ہماری معاونت کی۔تو پھر ایسے محسن لوگوں کو خوامخوا اپنا جانی دشمن بنانا اور ان کو جان سے مارڈالنا کہاں کا انصاف ہے اور کیسی عقلمندی ہے؟ حالانکہ مسلمان کا تو یہ شیوہ ہے کہ اگر اس کے ساتھ ذرا برابر بھی نیکی کی جائے تو وہ اسے کبھی بھلا نہیں سکتا۔رسول اللہﷺ کی حیات مبارکہ میں کئی ایک مثالیں ایسی موجود ہیں مثلاً منافق اعظم عبداللہ بن ابی کے لیے قمیص کا بھیجنا، فتح مکہ کے دوران ابوسفیان کے گھر جانے والے کے لیے امن کا اعلان کرنا وغیرہ کئی ایک مثالیں ایسی ہیں جن سے بآسانی معلوم کیا جاسکتا ہے کہ اسلام میں محسن کے لیے کس قسم رویے اور سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔پھر نوٹ کرنے والی اہم بات یہ کہ جو تحریک محض اسلامی بنیادوں پر مبنی تھی، اور شرعی احکامات کی پابند تھی اس تحریک نے خود بعض ایسے دانستہ یا غیر دانستہ طور پر امور سرانجام دیئے جو دیکھنے والے کے لیے حیران کن اور سننے والے کے لیے تعجب آمیز تھے۔

المختصر یہ جماعت علم، عمل، مجاہدہ، اخلاص اور للہیت کی پیکر جماعت تھی لیکن کاش ان میں حکمت بھی ہوتی تو بات بن جاتی۔کیونکہ ایک طرف یہ مسلمانوں کی ایک مخلص جماعت تھی جو مسلمانوں کے علاقے میں وارد ہوئی اور جنہیں یہاں خوب پذیرائی ملی اور زبردست پروٹوکول ملا۔اور ان کے ساتھ خوب جانی ومالی تعاون کیا گیا لیکن پھر بھی یہ ناکام ہوئی جب کہ دوسری طرف ایک غیر مسلم قوم ہزاروں میل دور سے آئی، جس کی زبان، مذہب، نسل، اقدارزیست سب کچھ یہاں کے لوگوں سے مختلف اور جن کو یہاں کے لوگوں نے پہلے قبول بھی نہیں کیا لیکن وہ پھر بھی کامیاب رہی، آخر کیوں؟ اس کیوں کے جواب میں پاک وہند کے غیر پختون لکھاریوں نے بڑی آسانی سے کہدیا کہ یہ اس لیے کہ پختون غدار تھے، بزدل تھے، دھوکہ باز تھے، بے وفا تھے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ان حضرات سے بڑی عاجزی کے ساتھ سوال ہے کہ چلو مان لیا کہ یہ لوگ ایسے تھے، لیکن آپ تو اخلاص اور وفا اور بہادری کے بام ثریا پر فائز لوگ تھے، آپ لوگوں نے کہاں کہاں پر انگریز سے لڑائیاں لڑی تھیں؟ کیا آپ ان لڑائیوں کی نشاندہی کرسکتے ہیں؟

بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان نام نہاد محققین اور مفکرین جنہوں نے بڑا چرچا کیا تھا تحقیق کا اور جنہوں نے مسلمانوں کی وحدانیت پر ساری زندگی زور دیا کہ اتحاد امت کی ضرورت ہے، وہی حضرات مسلمانوں کے مساعی کو آن واحدہ میں محو کرنے اور ان پر خوامخوا اپنی غلطیوں کی کیچڑ اچالنے پر تلے نظر آتے ہیں۔ان بے چاروں کو یہ بھی نہیں معلوم کہ جن پختونوں نے آپ کے ہندوستان اور پنجاب میں آکر ہندوؤں، سکھوں اور انگریزوں سے ٹکر لی اور وہاں وہ نہیں ڈرے، یعنی آپ کے ملک میں آکر غیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی، آپ سے بزور زمینیں لے کر نوابی قائم کی، آپ کو اپنا غلام بنائے رکھا، آپ کے ہاں آکر آپ پر احسانات کئے، آپ کو تعلیم غیرت دی، آپ کو لڑنے کا طریقہ سکھایا، آپ کو حمیت کا درس دیا، آپ کو جینے کا انداز سکھایا، آپ کو علم سے آراستہ کیا، اسی قوم کے بارے میں آپ ایسے نازیبا الفاظ استعمال کررہے ہیں؟ذرا بتائیے کہ جب ہندوستان پر آفت آپڑی تو اس وقت امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی نظر کیوں لاکھوں ہندوستانی مسلمانوں کے ہوتے ہوئے بھی صرف دو افغان(پٹھان) سرداروں پر پڑی تھی؟ اور یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ اگر یہ دو افغان نہ ہوتے تو شاید ہند میں اسلام کا نام لیوا تک نہ ہوتا[[42]](#footnote-43)۔کیا پورے ہندوستان میں کوئی غیرت مند مسلمان سردار اور نہیں تھا جس کو شاہ صاحب مرہٹوں کے خلاف بلاتے؟ کیا ضروت تھی کہ شاہ صاحب افغانستان کے والی احمد شاہ ابدالی اور نواب نجیب خان المعروف بہ نجیب الدولہ کو کیوں لکھ کر ارشاد فرماتے کہ ہند میں اسلام کی بقا آپ کے توسط ہے، جن کی توصیف کے بغیر ہندوستان کی تاریخ نامکمل ہے[[43]](#footnote-44)۔کیا آپ شاہ ولی اللہ سے بڑھکر مفکر ہیں اور یا پھر شاہ ولی اللہ کو یہ ادراک نہیں تھا کہ یہ بے وفا، دغا باز، بزدل اور اسلامی شریعت سے نابلد قوم کے افراد ہیں، ان کا کیا اعتبار کب دھوکہ دے جائے؟ کیا آپ نے ہند کے فقیدالمثال حکمران فریدخان (شیرشاہ سوری) اور 1857ء کے ہیرو جنرل بخت خان کی تاریخ نہیں پڑھی؟ہائے کاش! ہماری نہ سہی لیکن اگر شاہ ولی اللہ صاحب ہی کو صحیح پڑھ لیا ہوتا اور ان کی تاریخ مطالعہ کی ہوتی تو ایسے الفاظ سے گریزاں رہتے لیکن کیا کیجئے کہ انسانی فطرت ہے کہ اسے اپنی بڑھائی اور دوسروں کی برائی بیان کرنے میں جو مزہ آتا ہے وہ اس کے برعکس کہاں؟ اگر ایمانداری سے پوچھا جائے تو جن حضرات نے سیدصاحب پر جابجا بیٹھ کر طبع آزمائی کرتےہوئے کچھ نہ کچھ حوالہ تحریر کیا ہے، ان سے اگر پوچھا جائے کہ جناب من! آپ کے کس دادا ، پردادا اور کونسے رشتہ دارنے اس جنگ میں حصہ لیا تھا اور کیا قربانی دی تھی؟ کہ چند کتابیں پڑھ کر، مقامات کی سیر کرکے ایک طرفہ کام کرتےہوئے سیدصاحب کو ہیرو اور پختونوں کو زیرو ثابت کرکے خود کو محقق کہلوانے کی کوشش کرنا بہت آسان ہےلیکن حقیقت کاسامنا کرنا بہت ہی مشکل ہے کہ جن حضرات نے سیدصاحب کو سرآنکھوں پر بٹھایا، ان کے ساتھ جینے مرنے کا عہدوپیمان کیا، اور کئی ایک ان کے ساتھ میدان کارزار کاحصہ بنے، انہیں بآسانی غدار کہہ دیا، اتنا بھی نہیں سوچا کہ جن کے پاس سیدصاحب چار سال تک ہزاروں مسافروں سمیت مقیم رہے، ان کے ساتھ سینکڑوں نے اپنی جان کی بازی لگادی، ان کی فوج کا جنرل یعنی چیف(رسالدار) پختون تھے، سب سے پہلے شہید پختون تھے، یہاں تک کہ خود سیدصاحب کو ٹریننگ دینے والے پختون تھے، ان کے احوال جمع کرنے والے ٹونک کے نواب پختون تھے تو کیوں پھر اس قوم کو کلیتاً غدار، بے وفا، بے مروت، بزدل جیسے بھدی، غیرمہذب اور غیراخلاقی الفاظ سے یاد کیا جارہا ہے؟

تعجب کی بات یہ ہے کہ جن حضرات نے سیدصاحب پر کام کیا، وہ دو قسم کے ہیں؛ ایک وہ جنہوں نے دو چار کتابیں سامنے رکھ کر کچھ تالیف کرکے نتیجہ اخذ کیا، ان سے تو کوئی گلہ ہی نہیں کہ ان بے چاروں کو کیا علم کہ تحقیق کیا ہوتی ہے اور حقیقت میں ہوا کیا تھا جیسے مسعود عالم ندوی صاحب وغیرہ۔اور دوسری قسم ان حضرات کی ہے جنہوں نے صحیح معنوں میں کام کرنا چاہا اور حقیقت احوال کے لیے یہاں چل کر آئے مثلاً مہرصاحب اور علی میاں صاحب۔اب یہ نہیں سمجھ آرہا کہ ان دو نے یہاں پر کئی دن بلکہ کئی مہینے بلکہ سال گزارے[[44]](#footnote-45)، تعجب ہے کہ جن پختونوں کے ہاں یہ مہینوں اور سالوں تک مہمان رہے، ان ہی پختونوں کے بارے میں غلط تاثرات لکھنےبیٹھ گئے۔مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ محسنوں کے بارے میں ایسا رویہ رکھنا کس تہذیب اور کس معاشرے میں روا ہے کیونکہ یہ تو نہ صرف اسلامی تشخص کے خلاف ہے بلکہ ہندوستانی اقدار کے بھی خلاف بات ہے۔کیا اگر مہرصاحب اجازت دیں یا علی میاں صاحب کے عقیدت مند بے ادبی نہ جانیں تو میں کہنے کی جسارت کر سکتا ہوں کہ میرے اپنے خاندان منصور جدون کے کئی ایک جوانوں نے قربانیاں دیں، جن پر ہمارے ہاں جابجا موجود“شہیدانو مقبرے” گواہ ہیں۔مہرصاحب نے خود لکھا ہے کہ جدون منصور کے بیس نوجوانوں نے بہ یک وقت بہادری سے اپنی جانیں دیں اور اس پر دو انگریز مؤرخین کے حوالے بھی پیش کیے[[45]](#footnote-46)۔کاش مہرصاحب یہ بتانے کی جسارت کرلیتے کہ میرے دادا اور پردادا نے بھی سیدصاحب کے شانہ بشانہ اس تحریک میں حصہ لیا یا پھر میں نے ان لوگوں کی پیروی کرتے ہوئے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔جس سے ہمیں معلوم ہوجاتا کہ چلو ہم پختون تو غدار اور دھوکہ باز اور بزدل سہی لیکن کم از کم یہ تو بڑے بہادر قبیلے کا فرد ہے۔یا پھر علی میاں صاحب ہی اپنے کسی بزرگ کی بہادری دکھاتے تو ہم مان لیتے کہ واقعی یہ اگر ہم پر اعتراض کر رہے ہیں کہ یہ بھاگ جانے والے اور دغا دینے والے تھے تو یہ کہہ سکتے ہیں۔لیکن اگر ایسا نہیں اور ہرگز نہیں تو پھر کیا انہیں یہ احساس نہیں ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے حضور جاکر جواب دینا ہے۔

سوال یہ تھا کہ ہندوستانی باوجود اس قدر اپنائیت کے یہاں سرحد میں بری طرح ناکام ہوئے اور انگریز باجود غیریت کے کامیاب ہوئے، کیوں؟ اس لیے کہ انگریز منصوبہ ساز قوم ہے، اس نے بڑی چالاکی سے اپنا کام چلایا اور اس پختون قوم کو بھی رام کرلیا جس کو اچھے اچھے لوگ رام نہ کرسکے تھے۔کیونکہ انہوں نے پہلے ان کے مزاج کا مطالعہ کیا اور پھر اس کے لیے سالہاسال تیاریاں کیں، تب جاکر قدم اٹھایا اور کامیاب ہوئے، اس کے برعکس سیدصاحب اور اس کی جماعت نے آکر سب کچھ بگاڑ کررکھ دیا۔جس سے نہ صرف ان کا اپنا نقصان ہوا بلکہ عام مسلمانوں اور پختونوں کا بھی کافی نقصان ہوا، بلکہ پختونوں کے دامن پر خوامخوا بدنما داغ چسپاں کرکے بدنام کروایا، اور سب سے بڑا نقصان اسلامی تشخص کو پہنچا۔کیونکہ پختو میں ایک مثل مشہور ہے“چی کوم زائے دِی نہ گریگی نو سلہ ئ گرئ؟”اردو میں کہتے ہیں آبیل مجھے مار۔۔۔۔۔کیا ضرورت تھی، غیر ضروری مسائل چھیڑنے کی ؟ خوامخوا اپنوں سے دشمنی مول لینے کی؟ بلکہ دوست کو دشمن بنانے کی کیاحاجت تھی؟جس کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔اس کے علاوہ ایک اہم بات یہ کہ سیدصاحب چونکہ ایک اہم اور عظیم مشن کے لیے نکلے تھے جس کے لیے منصوبہ بندی کے ساتھ ساتھ حد درجہ صابر اور سمجھدار بندوں کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ بے صبری اور بے سمجھی کے ساتھ ایسی تحریکیں کبھی بھی کامیاب نہیں ہوسکتیں۔صبر،تحمل اور حوصلہ کے ساتھ ہمہ قسم حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور کسی بھی مسئلے کے پر جلد بازی کے بجائے خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا ہی کامرانی اور آگے بڑھنے کی نشانی ہوتی ہے۔اس کے برعکس جلد بازی میں کیے گئے فیصلوں کے نتائج دیرپا اور مؤثر نہیں ہوتے بلکہ نقصان دہ ہوتے ہیں جس سے قافلے کی روانگی پر کافی اثر پڑتاہے۔سیدصاحب کی جماعت میں بھی ایسے جلد باز اور ناسمجھ لوگ موجود تھے جن کی نادانی کی وجہ سے تحریک کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔سچ پوچھیے تو اسی غلطی نے تحریک کے مشن اور مقصد کو ایک طرف کرکے اس کا رخ ہی دوسری طرف موڑ دیا۔کیونکہ یہ تحریک تو بنی تھی سکھوں کے خلاف جہاد کرنے کے لیے اور حال یہ ہوا کہ سکھوں کو چھوڑ کر مجاہدین نے اپنے ہی محسنوں پٹھانوں کو نشانۂ جہاد بنایا اور ان سے لڑائیاں لڑیں۔کیا وجہ تھی؟ تو بہت ٹٹولنے اور کھوج لگانے کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ وجہ صرف ان حضرات کی نادانی، بے صبری، عجلت پسندی، غیر دانشمندانہ فیصلے تھے۔پختون اپنی پرانی اور دیرینہ رسوم اور روایات نہیں چھوڑ رہے تھے، ان کو مجاہدین کو عشر دینے میں ان کی من مانیاں نہیں مان رہے تھے، ان کے بنائے ہوئے عُجب سے لبریز قاضیوں کے نخرے نہیں اٹھا رہے تھے، ان کی ہر درست ونادرست بات کو ماننے کی غلطی کر رہے تھے، ان کو اپنی بیٹیاں دینے پر دل سے راضی نہیں تھے، یہ پختون ان مجاہدین کی بات نہیں سمجھ رہے تھے اور مجاہدین ان پختونوں کے مزاج اور طبیعت سے واقفیت نہ ہونے کی غلطی کر رہے تھے، الغرض پختون ان کی بے جا بالادستی برداشت نہیں کر رہے تھے۔جس کے نتیجے میں سیدصاحب نے فیصلہ کرلیا کہ سکھوں سے بعد میں نمٹیں گے پہلے ان جاہل پختونوں کو سبق سکھانا ضروری ہے۔اس لیے انہوں نے سے اِن اَن پڑھ اور گنوار پختونوں کے خلاف طبلہ جنگ بجادیا اور ان کے اہم مراکز پر حملے کرکے ان کے دلوں سے محبت وعقیدت جڑوں سمیت اکھاڑ پھینک دیا اور بغض وحسد کے ساتھ انتقام کی ایسی آگ جلادی جو بجھانے والی نہیں تھی، جس نے ان کے اذہان میں یہ کلیہ ثبت کردیا کہ دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے ، اس لیے انہوں نے اب ان کے دشمن سکھ کے ساتھ ہاتھ ملا کر ان کا خاتمہ کرنا ضروری سمجھا کیونکہ یہ حضرات علم سمیت اگر ان پڑھ مسلمانوں کو ماریں گے تو لازمی بات ہے کہ بدلہ میں وہ بھی ان کو ماریں گے۔آپ اندازہ لگائیے کہ ایک خادی خان کی موت کس قدر افسوس ناک اور قابل مذمت حرکت تھی اور پھر ان کے اہل وعیال کو اٹھانا اور یرغمال بنانا کہاں کی دانشمندی تھی۔ایسے میں آپ خود سوچیے کہ یہ لوگ خود اپنے دوستوں کو دشمن بنانے کی غلطی نہیں کر رہے تھے؟ اور کیا خود اپنے دوستوں کو اپنے دشمنوں سے ملوانے کی ترغیب نہیں دے رہے تھے؟ جس کا نتیجہ لازمی طور پر وہی نکلنا تھا جو نکل آیا۔

لیکن ان ساری باتوں سے بالاتر ہوکر اگر سوچا جائے تو اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ ان بشری کمزوریوں کے ہوتے ہوئے بھی اس جماعت نے بہت بڑا ناقابل فراموش کارنامہ سرانجام دیا کہ ایک ایسے دورپُرفتن میں کہ جب ملک میں ہرطرف انارکی پھیلی ہوئی تھی اور مسلمانان ہند سب کچھ ہوکر بھی کچھ کر نہیں سکتے تھے۔ایسے حالات میں اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر دشمنانِ اسلام کے خلاف نکلنا اور ان سے بغاوت کرنا یقیناً بہت ہی مشکل کام تھا۔سینکڑوں خامیوں کے باوجود سیداحمد شہید کی قربانیاں بھلائی نہیں جاسکتیں،کہ ہندوستان میں اپنا گھر بار چھوڑ کر خالص اللہ کی رضا کے لیے نکلنا اور ہمہ قسم حالات کا سامنا کرنا، ہرکسی کی بس کی بات ہرگز نہیں۔بلا شک بہادر مسلمان ہی جہاد کرسکتے ہیں۔کہنے کو تو بہت آسان ہے کہ سیدصاحب نے یوں کیوں کیا ، ایسا کیوں نہیں کیا، کاش وہ ایسا کرتے، ویسا کرتے لیکن اگر دیکھا جائے تو سیداحمد شہید کو کئی ایک مشکلات کا بہ یک وقت سامنا تھا، ایک طرف سکھ سامراج، دوسری طرف طوائف الملوکی، تیسری مصیبت اپنے پرائیوں کے چبھنے والے جملے، ان کی نادانی میں کی گئی مخالفت اور پختون مزاج کو سمجھنے کے ساتھ وسائل نہ ہوتے ہوئے گمبھیر مسائل کو سلجھانا کوئی سہل کام نہیں تھا۔اور ان سے پر مستزاد کمپنی ڈپلومیسی کی وہ خفیہ کارروائیاں اور سازشوں کا جال جو شیطان کے جالوں کی طرح نظر نہیں آرہے تھے لیکن ان شیطانی جالوں میں یہ سادہ لوح مسلمان پھنستے چلے جارہے تھے۔اگر یوں کہاجائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ان کی کوتاہیوں کا خلاصہ یوں ہے؛ انہوں نے حالات کا صحیح اندازہ نہیں لگایا تاکہ اصلی دشمنوں کے چالوں کو سمجھ سکیں، علاوہ ازیں پختونوں کو صحیح طور پر سمجھنے سے قاصر رہے، نیز یہاں کے مولویوں اور خوانین کو اعتماد میں نہیں لیا، عوام پر زبردستی کی اور قاضی حبان جیسے فلسفہ اسلام سے ناواقف لوگوں کو بڑے عہدوں پر تعینات کیا ، اس لیے بڑے گھمبیر مسائل درپیش آئے۔

یہ باتیں تحریک مجاہدین کی ناکامی کا باعث ضرور ٹھہرائی جاسکتی ہیں تاہم جب سید صاحب اور ان کے رفقاء جان فروشوں کے علم وعمل، زید وتقویٰ، ایثار وقربانی اور خلوص نیت کو دیکھا جائے تو ان کی عظمت کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں رہتا۔ہزارہااختلاف کے باوجود سیداحمد شہیدصاحبؒ اپنے وقت کے بہت بڑے مجاہد،صوفی باصفا اور اللہ والے انسان تھے۔سب سے بڑی دلیل 8 اکتوبر2005ء کو آنے والا زلزلہ ہے جب بالاکوٹ سبھی شہر مٹی کا ڈھیر بن چکا تھا لیکن اس اللہ والے کی قبر تو لامحال ان کے مزار مبارک کا احاطہ بھی بالکل محفوظ رہا اور وہاں پر موجود ایک پتھر تک اپنی جگہ سے نہ ہلا۔یعنی سیداحمدشہیدؒ سے گرچہ انسانی ناتے کے طور پر یا بشری تقاضے سے کوتاہیاں سرزدہوئیں لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ عنداللہ محبوب نہیں بلکہ وہ تو اپنے وقت کے مسلّم ولی تھے۔سیاسی مفادات سے قطع نظر، خالص دینی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو سید صاحب اپنے دور کے بہت عظیم اور بے حد مخلص دینی رہنما تھے۔انہوں نے باطل سے کھل کر ٹکرلیااور اپنا سب کچھ راہ خدا میں لٹا دیا حتی کہ اپنی جان بھی قربان کرگئے[[46]](#footnote-47)۔یہ ایک حقیقت ہے جس سے کوئی بھی صاحب عقلِ سلیم منہ نہیں موڑ سکتا۔اس حقیقت سے جو شخص منہ موڑیگا، یا تو وہ بے خبر ہوگا اور یا پھر وہ بغض وحسد کا شکار ہوگا کیونکہ جہاں تک سیدصاحب کی غلطیوں کا تعلق ہے تو انہیں راقم نے بلا جھجھک بیان کردیا اور جہاں تک ان کی عظمت کا تعلق ہے تو بھلا چڑھتے سورج سے بھی کوئی انکار کرسکتا ہے ؟

تمام تر کوتاہیاں اپنی جگہ لیکن اپنا سب کچھ قربان کرکے اللہ کی راہ میں نکلنا صرف دل گردے والوں کا کام ہے اور جن کو اللہ نے اسلام کی خدمت کے لیے چن لیا ہو، ان سے یہ کام لیا جاتا ہے، باتیں تو ہر کوئی بہت خوب کرلیتا ہے لیکن ایسا عمل بھی تو دکھانا چاہیئے۔مان بھی لیا کہ سیدصاحب نے انگریز کے کہنے پر جہاد کیا مگر کیا یہ اعتراض کرنے والے لوگ اپنے آباء واجداد میں کوئی دکھا سکتا ہے کہ انہوں نے سکھوں سے خالص للہ فی اللہ جہاد کیا ہو اور پھر انگریزوں سے لڑے ہوں؟خانقاہ کے کسی کونے میں بیٹھ کر مالا جپنا بہت آسان کام ہے لیکن اسلحہ لے کر دشمن کے مقابلے میں آنا بہت ہی مشکل کام ہے،جو حضرات سیداحمد شہید پر صرف تنقید کرتے ہیں، کیا ان کے ذہن میں کبھی جہاد کا خیال تک آیا ہے؟ ایسے میں وہ اس حدیث کا کیا کریں گے؛**قالﷺمَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُوَلَمْ يُحَدِّثْ بِهِ نَفْسَهُ مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ**[[47]](#footnote-48)۔اس لیے کچھ بولنے سے پہلے انہیں یہ بات خوب ذہن نشین کرلینی چاہیئے کہ جہاد کرنا صرف نڈر اور دلیر لوگوں کا کام ہے، بزدل لوگ جہاد کا سوچ بھی نہیں سکتے۔باتیں بنانا بہت آسان ہے لیکن اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان جہاد میں نکلنا محض ان مسلمانوں کا کام ہے جن کے دل میں اللہ اور اس کے رسولﷺ کی محبت رچ بس گئی ہو ۔ سید صاحب اور ان کی جماعت نے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق اسلامی انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی اور ان کا طریقہ کار اس زمانے کے لحاظ سے ایک حد تک ٹھیک بھی تھا مگر اب کے حالات بدل چکے تھے، لکیر کا فقیر بنا رہنا مناسب نہیں۔کتاب وسنت کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی توفیق وہدایت سے نئے حالات اور نئے مقتضیات کے مطابق اسلامی تجدید کا خاکہ بناکر گامزن ہونا چاہیئے۔اب صرف قتال یا صرف عبادت وزہد کی روح کرنا کافی نہیں۔ان چیزوں کے ساتھ ساتھ زندگی کے تمام شعبوں میں جاہلیت کے مقابلے کی خوب تیاری کرنا چاہیئے۔آج کفر کے حملے کسی ایک مورچے پر محدود نہیں۔ہرآنے والی سانس کفر کے جراثیم سینوں میں داخل کر رہی ہے۔شیطان کی کارستانیاں آج اپنی آخری حدیں پار کر رہی ہیں۔نمرود کی آگ آج ہر کوچہ وبازار میں بھڑک رہی ہے لیکن اولاد حضرت ابراہیمؑ کو شاید اس کی خبر بھی نہیں ہے۔ الحاصل سیداحمدشہیدؒ کی تحریک خالص دینی اور جہادی تحریک تھی جو للہ فی اللہ اعلائے کلمۃ اللہ کی سربلندی کے لیے سرگرم عمل رہی لیکن کاش اخلاص کے ساتھ ساتھ اگر وہ حکمت اور منصوبہ بندی کو بھی دھیان میں رکھتے تو بلاشبہ ان کو اپنی منزل جلد اور ضرور مل جاتی لیکن انہوں نے محض اخلاص، علم، زور بازو اور طاقت آزمائی کے ذریعے اپنی منزل کو پانا چاہاجس میں وہ ناکام ہوئے۔انہوں نے اس بات کا بالکل ادراک نہیں کیا کہ ہمارا مقابلہ دو بڑی طاقتوں یعنی سکھ اور انگریز سے ہے، ان میں ایک زور بازو اور دوسرا زوردماغ استعمال کرکے ہمیں ختم کرنے کی بھرپور کوشش کر رہا ہے۔ایسے میں اپنی ان پڑھ میزبان قوم پختون کو ناراض کرنا، ان پر کفر کے فتوے لگانا اور ان سے خوامخواہ دشمنی لینا کہاں کی دانشمندی ہے بلکہ اس کا تو سیدھا مطلب اپنے پاؤں آپ کلہاڑی مارنا ہے۔دوسری طرف پختونوں نے بھی یہ نہیں سوچا کہ اگر واقعی یہ اسلام ہی چاہتے ہیں تو وہ کیونکر اپنی فرسودہ رسومات کو چھوڑ نہیں رہے۔جس میں یقیناً حائل اور رکاؤٹ والا امر اس وقت کا مولوی طبقہ تھا جو یا تو بدقسمتی سے زیادہ پڑھا لکھا نہیں تھا اور یا پھر انہوں نے اپنی روزی روٹی کی وجہ سے اس تحریک کا ساتھ نہیں دیا۔ظاہر ہے کہ پختون سیدصاحب کا تو دل سے قدر کررہے تھے لیکن بات تو وہ اپنے مولویوں کی ہی مانتے تھے کیونکہ اسی میں انہیں خیر نظر آتا تھا اور ایسا کرنےمیں مولویوں کو اپنا خیر دکھائی دے رہا تھا،اس لیے بات نہ بنی۔حق بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے تینوں طبقوں یعنی تحریک والوں، پختونوں اور علاقہ بھر کے مولویوں سے غلطیاں سرزد ہوئیں جن کی وجہ سے تینوں طبقوں کو کافی جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی عزت و وقار اور شان وشوکت بھی کافی مجروح ہوئی۔ دعا ہے کہ اللہ ان سب کی غلطیوں کو معاف فرماکر ان کو جنت میں اعلیٰ مقام سے نوازے۔آمین

1. • اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامیات جامعہ صوابی، صوابی، پختونخوا، پاکستان [↑](#footnote-ref-2)
2. •• چئیرمین شعبہ اسلامیات جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دلی، ہندوستان [↑](#footnote-ref-3)
3. سیداحمدشہیدؒ 1886ء/ 1201ھ میں رائے بریلی میں پیدا ہوئے، 1827ء / 1242ھ میں یہاں علاقہ سرحد چلے آئے اورچار سال کے بعد 1831ء / 1246ھ میں بالاکوٹ کے مقام پر شہید ہوئے۔یعنی آپ نے کل چار سال یہاں گزارے۔ تفصیلی سوانح کے لیے دیکھیے علی میاں اور مہرصاحب کی کتابیں۔ [↑](#footnote-ref-4)
4. محمد شفیع صابر، تاریخ سرحد، یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور1986ء، ص 463 [↑](#footnote-ref-5)
5. مولانا عبیداللہ سندھی،شاہ ولی اللہ اور اس کی سیاسی تحریک، ص 158، پنجاب کتب خانہ لاہور 1942ء [↑](#footnote-ref-6)
6. 1894ء میں ابوالحسن علی ندوی کے والد صاحب نے ان میں حیات بزرگوں سے ملاقاتیں کی تھیں اور ایک روئیداد تحریر کی تھی “ارمغان احباب ” کے نام سے جو 1939ء میں ماہنامہ معارف اعظم گڑھ میں قسط وار طبع ہوئی تھی۔ [↑](#footnote-ref-7)
7. W.W Hunter, Indian Musalmans, London 1871, p.9 [↑](#footnote-ref-8)
8. مولانا عبیداللہ سندھی، شاہ ولی اللہ اور اس کی سیاسی تحریک، کتب خانہ پنجاب لاہور، 1942ء، ص 159 [↑](#footnote-ref-9)
9. مولانا محمدمیاں، علماء ہند کا شاندار ماضی،جمعیت پبلی کیشنز لاہور 2010ء، 3: 68 [↑](#footnote-ref-10)
10. مولانا حسین احمد مدنی، نقش حیات، 2: 18، میگنا پرنٹنگ پریس لاہور 1987ء ۔

    یاد رہے کہ مولانا سندھی، مولانا میاں صاحب اور مولانا مدنی کوئی عام لوگ نہیں تھے اس لیے ان کا یہ تبصرہ کافی وزن رکھتا ہے۔ [↑](#footnote-ref-11)
11. سرسیداحمد خان،علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ 18 دسمبر 1871ء [↑](#footnote-ref-12)
12. دیکھیئے راقم کی پشتو کی کتاب “اسلام او پختو”، نوارخان ریسرچ سنٹر بیسک گدون صوابی، 2018ء [↑](#footnote-ref-13)
13. اگر اس تحریک کو سیدصاحب حکمت کے ساتھ چلاتے تو کبھی بھی غیر مسلم اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہوتے۔ لیکن بدقسمتی سے سید صاحب کا رخ مسلمانوں کے دشمن سے لڑنے کے بجائے مسلمانوں کی طرف ہوگیا۔جس سے حالات یکسر خراب ہوتے چلے گئے۔ [↑](#footnote-ref-14)
14. ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت وعزیمت ، ج 7، ص 312، مکتبہ الحسن لاہور 2017ء [↑](#footnote-ref-15)
15. قاضی حبان کی تجویز؛ کے عنوان سے علی میاں نے عقیدت والے الفاظ لکھ دیئے ہیں لیکن پھر بھی اس سے ایک عقل سلیم رکھنے والا انسان بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ آیا ایسا فیصلہ اور ایسا اقدام درست تھا؟دیکھئے ابوالحسن علی ندوی کی کتاب تاریخ دعوت وعزیمت ، ج 7، ص236 ومابعد [↑](#footnote-ref-16)
16. چونکہ ہمارے علاقے کا واحد ذریعہ معاش زراعت ہے جس کے مخصوص دن ہوتے ہیں،اس کے علاوہ باقی دنوں میں عام طور پر ہمارے کاشت کار بھائی قدرے فارغ ہوتے ہیں تاہم مذکور مخصوص ایام میں یہ کھیت کھلیان میں مصروف رہتے ہیں۔بس اتنی سی بات تھی جو قاضی موصوف کے بھیجے میں نہیں گھسی اور خلاف مروت وشریعت کام پر اتر آئے۔اور اتنا بڑا نقصان کردیا جو ناقابل تلافی تھا۔کیونکہ اس کی بے وقوفی کی وجہ سے آٹھ سو مجاہدین پختونوں کے ہاتھوں قتل ہوئے کیونکہ اس نے پختونوں پر کفر کا فتویٰ لگایا اور پختونوں کو مجاہدین کے ذریعے بے عزت کروایا جس کے بدلے میں پختونوں نے بیک وقت رزڑ میں موجود آٹھ سو ہندوستانیوں کو ختم کردیا۔ [↑](#footnote-ref-17)
17. ابوالحسن علی ندوی ، تاریخ دعوت وعزیمت ، ج 7، 239 [↑](#footnote-ref-18)
18. ہاں استثنیٰ ہرجگہ لازم ہے تاہم یہاں بات پختو قانون کی ہورہی ہے کہ اس قسم کی حرکت اس قانون میں بالکل روا نہیں ہےبلکہ سختی سے منع ہے۔اور ایسے کرنے والے کو مورد لعن طعن ٹھہرایا جاتا ہے۔ [↑](#footnote-ref-19)
19. یاد رہے، پختو پٹھانوں کی زبان کو بھی کہتے ہیں اور پختو ان کے دستور کو بھی کہتے ہیں۔یہاں مراد ان کا دستور ہے نہ کہ زبان۔ [↑](#footnote-ref-20)
20. پشتو زبان میں ایسے کئی ایک محاورے اور ضرب الامثال موجود ہیں جن میں پختو کی اہمیت کا اندازہ لگایاجاسکتا ہے۔ [↑](#footnote-ref-21)
21. تاریخ دعوت وعزیمت، 7/378 [↑](#footnote-ref-22)
22. پشتو میں مثل مشہور ہے کہ '' د خوار ملا بانگ تہ سوک غوگ گدی؟'' او دخوار ملا بانگ باندی سوک کلمہ نہ وائی۔ [↑](#footnote-ref-23)
23. اس میں کوئی شک نہیں کہ یہاں کے خوانین سیداحمد شہید کو چاہتے بھی تھے اور ان کے ذریعہ اپنی دھاک بٹھانے کی بھی کوشش کرتے تھے لیکن جیسا کہ عرض ہوا یہ سب کچھ پختونوں کے خون میں شامل تھا۔اب جو چیز صدیوں سے خون میں چلا آرہا ہو، اسے یونہی ختم کرنا آسان نہیں ہوتا جب کہ سیداحمدشہید صاحب اس کو فوراً اور یکسر ختم کرنا چاہتے تھے جو ناممکن تھا اور جس کے نتائج اچھے نہیں بلکہ بہت خطرناک مرتب ہونے تھے، اس لیے فتح خان نے سیداحمدشہید کو بتایا تھا کہ بادشاہ صاحب آپ کی یہ بے جا سختی چلنے والی نہیں ہے اور اس کا انجام بہت برا نکلنے والا ہے اور وہی ہوا۔ [↑](#footnote-ref-24)
24. شاہ غلام رسول بدیوانی(م 1872ء)، سیف الجبار،اول بارمطبوعہ 1850ء دارالسلام دہلی، طباعت ششم مکتبہ رضویہ لاہور 1973ء، ص 96

    یہ کتاب اگرچہ مؤلف نے مخالفت میں لکھی ہے جس کی اکثر باتوں سے تشدد اور نفرت، بغض اور حسد واضح اور عیاں ہے تاہم اس بات پر اس لیے اعتماد کیا جاتا ہے کہ یہی بات راقم نے خود اپنے مشاہیر اور بزرگان قوم سے بارہا سنی ہے اور پھر چونکہ مولف ہذاشاہ غلام رسول، سیدصاحب کے ہمعصر رہ چکے ہیں اس لیے ان تک اس بات کا پہنچنا بعید نہیں اس لئے ان کی یہ بات نقل کی گئی وگرنہ ان کا انداز تکلم اور اسلوب تحریر کے ساتھ طرز بیان بالکل عالمانہ ومحققانہ نہیں بلکہ عامیانہ اور بازارانہ ہے۔ اس کے علاوہ انگریز مؤرخین بیلیو اور ہنٹر نے بھی سید صاحب کے خلاف اچھے ریمارکس نہیں دیئے ہیں لیکن پھر بھی ان لوگوں نے بعض مقامات پر سیدصاحب اور اس کی جماعت کی کھل کر تعریف کی ہے برعکس ان مولیوں کے جو محض حسد اور بغض کا شکار رہے۔اور اچھی باتوں کا بھی بھودی تاویلیں کرتے رہے۔ [↑](#footnote-ref-25)
25. آج بھی یہ نام پختونوں میں کافی مقبول ہے۔ [↑](#footnote-ref-26)
26. روشن خان ، یوسفزئی قوم کی سرگزشت، جونا مارکیٹ کراچی 1986ء، ص 272-282 [↑](#footnote-ref-27)
27. ضیاء اللہ جدون، تاریخ صوابی،افغان ریسرچ سنٹر لاہور 2015ء، ص 78 [↑](#footnote-ref-28)
28. مرزا حیرت دہلوی، حیات طیبہ، دہلی 1895ء، ص 194 [↑](#footnote-ref-29)
29. W.W Hunter, The Indian Musalmans, Turban and company London, 1871, p.9 [↑](#footnote-ref-30)
30. منشی گوپال داس، تاریخ پشاور، گلوب پبلشرز لاہور، سطن،ص 244 [↑](#footnote-ref-31)
31. بشیرمحمود اختر، مانسہرہ، مجلس علم وادب راولپنڈی، 2001ء،ص 81 [↑](#footnote-ref-32)
32. اگر غور کیا جائے تو ایک ہی جملہ میں یہ کہنا مناسب ہوگا کہ یہی ایک عامل سب پر بھاری ہے کہ پختونوں کے کلچر سے ناواقفیت کی بنا پر ہندوستانی مجاہدین ناکامی کی زد میں آگئے تھے۔ [↑](#footnote-ref-33)
33. سیارہ ڈائجسٹ، 1982ء، ص 53 [↑](#footnote-ref-34)
34. علی میاں ، سیرت سیداحمد شہیدؒ، مجلس نشریات اسلام کراچی، سطن، ص 322 [↑](#footnote-ref-35)
35. اللہ بخش یوسفی، یوسفزئی پٹھان، محمد علی ایجوکیشنل سوسائٹی کراچی، 1961ء، ص 270 [↑](#footnote-ref-36)
36. اصل میں ان دنوں میں محمد بن عبدالوہاب نجدی کا بڑا چرچا تھا، اس لیے جو بھی دین میں سختی کرتا تھا تو اس پر وہابی کا فتویٰ لگ جاتا تھا۔جیسا کہ مولانا محمد امیر کوٹھا باباجی پر بھی یہی فتویٰ لگا تھا۔حالانکہ یہ دشمن کی ایک چال تھی جس سے وہ مسلمانوں کے اندر انتشار پھیلانا چاہتا تھا اور اس میں وہ کامیاب بھی ہوا۔اسی فتویٰ کی بنیاد پر دشمنان اسلام نے کئی وار اور بھی کئے اور تقریباً کارگر ثابت ہوئے۔ان میں سب سے پہلا وار انہوں نے سیداحمد شہیدؒ کے رفیق مولانا محمد امیر کوٹھا باباجی پر اس وقت کیا جب انہیں یقین ہوچلا تھا کہ یہی ایک عالم ہے اس علاقے میں جو سید احمد شہید کے پیروکاروں کو درست قرار دیتے ہوئے ان کی مدد کر رہا ہے اس لیے انہوں نے سوات کے اخوند صاحب کی مدد حاصل کی اور کوٹھا باباجی پر وہابی کا الزام لگایا جس سے مسلمانوں کے اندر انتشار پھیل گیا اور انگریز اپنی چال میں کامیاب ہوگیا۔ [↑](#footnote-ref-37)
37. محمد شفیع صابر، تاریخ سرحد، ص 483 [↑](#footnote-ref-38)
38. غلام رسول مہر، سیداحمد شہید،، غلام علی سنز لاہور، سطن ،ص 429 [↑](#footnote-ref-39)
39. القرآن، 39: 9 [↑](#footnote-ref-40)
40. القرآن، 6: 50 [↑](#footnote-ref-41)
41. اس لیے ایمان کے دو اجزاء ہیں؛ زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق۔ [↑](#footnote-ref-42)
42. تفصیل کے لیے دیکھیے شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات مرتبہ پروفیسر خلیق نظامی۔ اس کتاب میں پروفیس صاحب نے ابدالی اور نجیب الدولہ کے نام شاہ ولی اللہ کے اکثر خطوط درج کئے ہیں۔ [↑](#footnote-ref-43)
43. ذکاء اللہ دہلوی لکھتے ہیں کہ نواب نجیب الدولہ کو 1765ء میں امیرالامراء مقرر کیا گیا۔ نجیب الدولہ جیسے عاقل، ہوشیار ودانشمند کمتر ہوتے ہیں۔امانت داری اور ایمان داری تو اس وقت میں اس پر ختم تھی۔(تاریخ ہندوستان، 9/315،انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ 1917ء) [↑](#footnote-ref-44)
44. مولانا محمد ابراہیم فانی نے راقم کو بتایا کہ علی میاں نے مجھے بتایا تھا کہ میں نے پانچ سال تک مسلسل یہاں آکر تحقیق کی، یعنی پانچ سال تک علی میاں صاحب ان “برے” لوگوں کے ہاں مہمان رہے۔ [↑](#footnote-ref-45)
45. مہرصاحب، سرگزشت مجاہدین، ص 312 [↑](#footnote-ref-46)
46. ضیاء اللہ جدون، تاریخ صوابی، ص 79 [↑](#footnote-ref-47)
47. صحیح مسلم، حدیث 5040، ابوداؤد حدیث 2502 [↑](#footnote-ref-48)